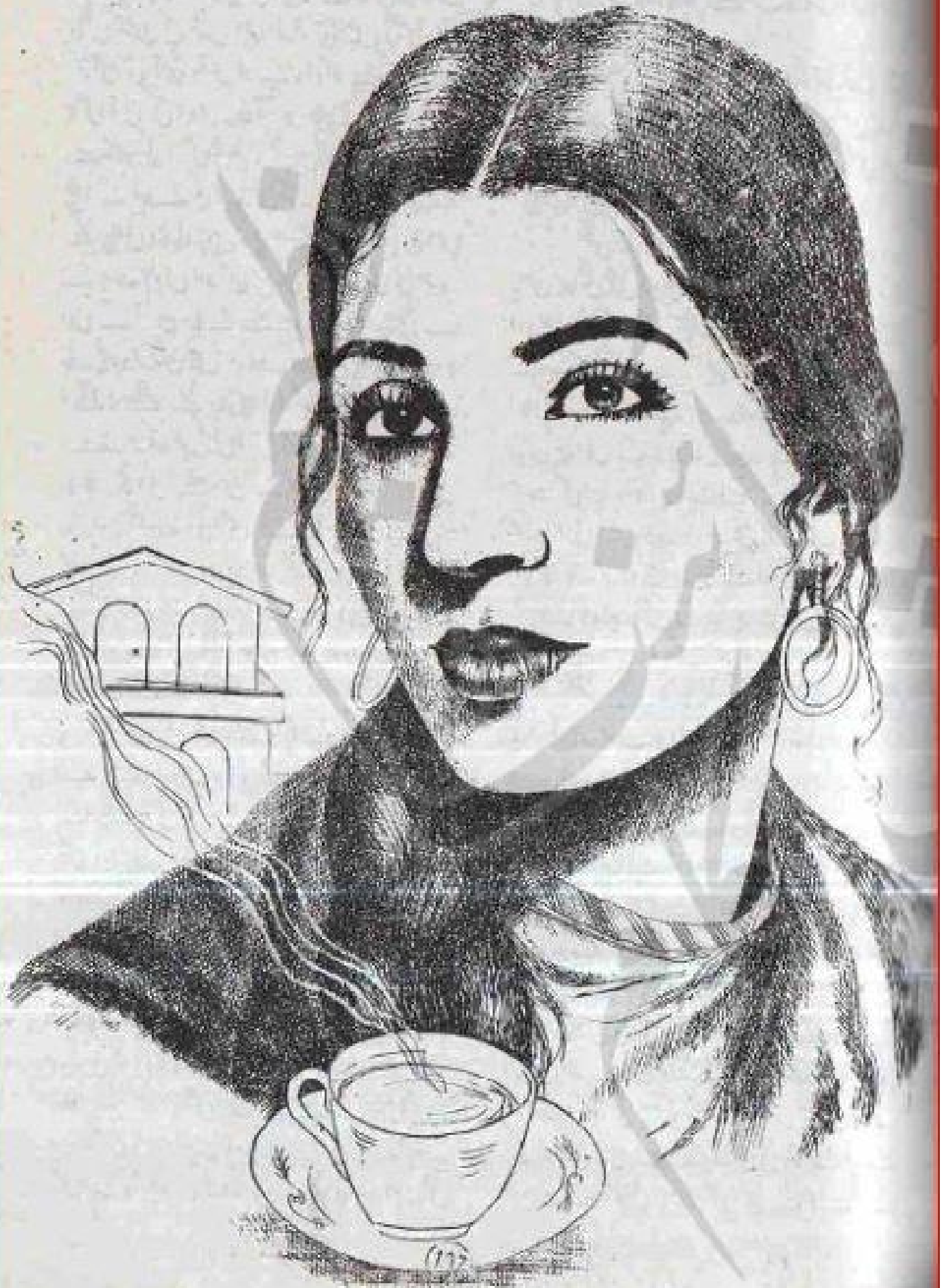


# فقار سواتھیں کرنا





وہ پچھلے دو گھنٹے سے بچن میں مصروف تھی کہ ڈور بیل بجی۔ کام میں مصروف جہینہ بری طرح چونکی گھر کی خاموش فضا میں ڈور بیل صور اسرائیل کی مانند گونگی تھی جہینہ نے چکن روٹز اور بواکل چکن کی پلیٹیں اٹھا کر فریج میں رکھیں اور کڑھی کی آج دھبی کر کے دروازے کی جانب بڑھی آج صبح ابرار نے آفس جانے سے قبل اس سے بین کی کڑھی کی فرمائش کی تھی وہ بہت کم کسی چیز کے کھانے کی فرمائش کرتا تھا۔ عموماً جہینہ جو کچھ پکاتی وہ بلا جوں، چرا کیے کھا لیتا آج اس نے بہت دنوں بعد کسی چیز کی فرمائش کی تھی جہینہ اس کے آفس جانے کے بعد گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر بچن میں مصروف ہو گئی کل سارا دن وقفے وقفے سے جاری لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے اسے خدشہ تھا کہ کہیں فریج میں پڑا چکن خراب نہ ہو جائے اسی لئے اس نے کڑھی کے ساتھ چکن روٹز اور چکن بریانی بھی بنانے کا سوچا تھا۔ اس کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ بیل ہوئی تھی اس نے جا کر دروازہ کھولا تو سامنے کڑھی نہ تھا کو دیکھ کر وہ خوشی سے ہل اٹھی اور وہیں دروازے پر ہی اس کے گلے لگ گئی تھی۔

”جہینہ تم مجھے اندر تو آنے دو۔“ یہاں سے جیسے احساس دلایا تھا۔ وہ شرمندہ سی اس سے الگ ہوئی اور اسے لئے اندر آئی اب اسے بھی اپنا یوں دروازے پر ہی نہا کے گلے لگنا آکر ڈلگ رہا تھا۔ وہ سوچتے ہوئے اسے لئے ڈرائنگ روم میں آ گئی یہ اوائل مئی کے دن تھے گرمی زوروں پر تھی اور آج صبح سے ہی جس بہت زیادہ تھا، نہا سے اس کی ملاقات تقریباً دو ماہ بعد ہو رہی تھی وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں اور دونوں کی شادی بھی ایک ہی مہینے میں ہوئی تھی۔ نہا کا شہر ممبئی کا میاب بزنس میں تھا جب کہ جہینہ نے ابرار ایم بی بی کے بعد ایک ملٹی

نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تعینات تھا۔ جہینہ نے اسے ہی آن کیا اور نہا کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”تم سناؤ سنگاپور سے کب واپس آئی ہو۔“ جہینہ نے پوچھتے ہی پوچھا۔

نہا، نوید کے ساتھ شائنگ اور آؤٹنگ کے لئے سنگاپور گئی ہوئی تھی۔ نوید کی اک بزنس پارٹی سے ملنے کے لئے وہاں جانا تھا وہ نہا کو بھی اس کی فرمائش پر ساتھ لے گیا تھا۔

”کل رات کو آئی ہوں اور آج تمہارے پاس بھاگی آئی ہوں حالانکہ ابھی میں اپنے میکے اور سرال میں بھی کسی سے نہیں ملی میں نے تمہیں بے حد مس کیا جہینہ۔“ نہا نے اوپر اڑھی چادر اتار کر تہہ لگا کر اپنے قریب رکھتے ہوئے حقیقت بیان کی اس کے لہجے میں جہینہ کے لئے محبت ہی محبت تھی وہ دونوں ایک دوسرے سے یوں ہی محبت کرتی تھیں جہینہ کی نظر میں تک سک سے تیار نہا پر ایک کرہ نکلیں۔ وہ ہلکے اور گہرے فیروزہ فگر کے کاڈار کاٹن کے جدید شامش سوٹ میں لمبوس بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

”تم نے یہ سوٹ نیا لیا ہے۔“ اس کی اتنی پذیرائی اور محبت پر دل میں خوش ہوتی جہینہ نے اس سے پوچھا۔

”نہیں یار یہ پچھلے سال کا ہے آج میں نے دوسری بار پہنا ہے۔“ وہ تفصیلاً بتاتے لگی تھی۔

”بہت پیارا ہے۔“ جہینہ نے عجب یاسیت بھرے لہجے میں اس کی تعریف کی نہا اس تعریف پر ہولے سے مسکرا دی۔

وہ اس کی بچپن کی دوست ہونے کے ناتے اس کی فطرت سے واقف تھی۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ جہینہ ہر ممکن چیز کو سونا سمجھ کر اس چیز کی طرف لپکنے والوں میں سے ہے وہ اس کی مادیت پرست طبیعت سے بخوبی واقف تھی اسی لئے اسے نو کے

بھی نہ رہ پائی تھی۔ مادی آسائش زندگی کی لذتوں کی ضمانت نہیں ہوتی ہیں۔ جہینہ کو ہمیشہ کی طرح اس کی نصیحت بری لگی سو وہ ماتھے پر لئے بل اس سے چھپاتی اسے اک میگزین ورق گردانی کے لئے تھا کہ بچن میں چل گئی۔ نہا اس کے ماتھے کے بل دیکھ چکی تھی۔ مگر مطمئن تھی کہ جہینہ اس سے خفا نہیں ہو سکتی سو میگزین تمام کر دی گردانی کرنے لگی۔ جہینہ نے بچن میں آکر گھر کڑھی چو لہے سے نیچے رکھی اور جلدی سے روٹز، پڑا برتنوں میں ڈنگا لئے تھی اس نے روٹز تلنے کے بعد پڑا اوون میں گرم کیا اور برتنوں میں نمکو، پھس، ویفرز جانے لگی اور گلاسز میں ڈرغس ڈال کر سب اشیاء ٹرائی میں رکھ کر نہا کے پاس چلی آئی۔ نہا میگزین سائیز ٹیبل پر رکھ کر سیدھی ہو گئی دونوں کی نگاہوں کے تصادم پر دونوں کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ نہا کو اب جہینہ کے چہرے پر پہلے والی خشکی یا جھجھکاہٹ کا نشانہ تک نہ تھا جہینہ کے چہرے پر مسکراہٹ جا کر نہا کے چہرے پر اک آسودہ مسکراہٹ جم گئی تھی وہ اپنے اندازے کی درستگی پر مطمئن تھی۔ ان دونوں کی سکول میں اور بھی فریڈز تھیں لیکن کالج آکر ان کی دوستی صرف اک دو بے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس دوستی میں نہا کے خلوص اور جہینہ کی مادیت پرستی کا بے حد ہاتھ تھا کہ نہا اک مصروف بزنس مین کی بیٹی اور تین بزنس مین ہائیوں کی بہن تھی۔ نہا جہینہ کی فطرت سے واقف ہونے کے باوجود اس بات سے بے خبر تھی نہا کا ڈرائیور اسے ٹھوڑی دیر بعد لینے آ گیا اور وہ چلی گئی جب کہ جہینہ کا ذہن اس کے سوٹ میں ہی انکارہ گیا تھا۔

-----

”ابرار!۔“ نہا نے بیڈ پر نیم دارز آنکھوں پر بازو ٹکائے ابرار کا کندھا ملاتے ہوئے محبت سے

دیکھا یہ اس کا کسی خواہش کے اظہار کے وقت اک مخصوص انداز تھا جو وہ اپنی بات منوانے کے لئے اپناتی تھی۔

ابرار نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اس کے گھٹے سیاہ سلکی بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرنے لگا وہ اپنے قریب موجود جہینہ کے وجود کی مہک سے اپنی سانسیں مہکانے لگا۔

”کہو۔“ اس نے نکمیر لہجے میں اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جہینہ اس کی نگاہوں سے جیسے پکھننے لگی تھی لیکن اپنی بات کہنا بھی ضروری تھا سو وہ بولی۔

”ابرار مجھے ایک سوٹ لینا ہے۔“ ابرار کا جہینہ کے بالوں میں مسلسل حرکت کرتا ہاتھ جہاں کا تہاں رک گیا تھا۔ جہینہ کی روانی سے کبھی کبھی فرمائش نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ اس کی کیفیت نوٹ کرتی جہینہ نے پوچھا۔ دل میں یہ خدشہ بلکہ کسی حد تک یقین موجود تھا کہ وہ انکار کر دے گا۔

”جہینہ تم چند روز ٹھہر جاؤ میں، میں تمہیں خود شاپنگ کے لئے لے جاؤں گا۔“ اس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے محبت سے اسے جیسے سمجھانا چاہا تھا مگر وہ ہلکے گردور ہٹ گئی۔

”مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ تم میری اتنی سی خواہش بھی پوری نہ کرو گے۔“ جہینہ نے پل بھر میں محض اک سوٹ کی خاطر ابرار کی ایک سالہ ازدواجی زندگی میں لہجہ بہ لہجہ خوشبو بن کر مہلتی محبت کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اس نے اس کی لہجہ بہ لہجہ خوشیاں بکھیر کر محبت کو فراموش کر دیا تھا اس کو اس وقت ابرار کے دلی احساسات کی پرواہ بھی نہ رہی تھی اسے اگر کسی چیز کی پرواہ تھی تو وہ صرف اپنی خوشیوں کی، اپنی خواہشات کی تکمیل کی۔ اسے اس وقت یہ فلق کھائے جا رہا تھا کہ ابرار نے اس کی لہجہ چھوٹی سی خواہش پوری نہ کی تھی اسے



یہ دکھ کھائے جا رہا تھا کہ یہاں کوئی بیرون ملک گھما کر لے آیا اور ابرار اسے اک سوٹ نہ دلا رہا تھا حالانکہ ابرار نے انکار نہ کیا تھا وہ اسے انکار کر ہی نہ سکتا تھا وہ تو اس کی زندگی کی سب سے بڑی سچائی تھی پھر وہ اسے کیسے انکار کرتا تو وہ صرف چند دن کی مہلت مانگ رہا تھا مہینے کے آخری دن تھے اور اس کے پاس رقم کی ذرا سی بھی تھی اسی لئے اس نے مہلت مانگی تھی مگر جبینہ ناراض ہو کر اٹھ کر باہر چلی گئی اور وہ ضبط سے مٹھیاں بیچ کر رہ گیا۔

### جبینہ پلیز

خفا تھی وہ صبح سے اسے خاموشی سے مسلسل مختلف کاموں میں مصروف دیکھ رہا تھا۔ وہ آفس کے لئے تیار ہو کر ناشتے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر آکر بیٹھا تو اباجی اخبار لئے ناشتے کے بعد ٹیبل سے اٹھ کر اپنے کمرے میں پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ جبینہ اس کے لئے ٹیبل پر ناشتہ لگا کر اسی طرح خفا سی واپس چکن میں جانے لگی تو ابرار نے جی ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ وہ اس کی ہتھکی برداشت نہ کر پا رہا تھا۔ دونوں کی سال بھری ازدواجی زندگی میں یہ ناراضگی کا پہلا موقع تھا کہ ابرار نے اس کی کوئی خواہش رد کی تھی ابرار کے دل میں اس کے رویے پر تاسف ابھر رہا تھا کہ وہ ابرار کی مجبوری سمجھنے کی بجائے اس سے ناراض ہو گئی تھی وہ اپنی ساری خواہ لا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا جبینہ نے بھی بچت نہ کی تھی وہ اس کی ساری خواہ مہینے بھر میں ہی خرچ کر دیتی تھی۔ حالانکہ ابرار کے اباجی نے اسے ایک دو بار دبے لفظوں میں سمجھانا بھی چاہا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اس ماہ ابرار سے اس کے ایک سینئر کولیک نے چند ہزار روپے اگلے ماہ لوٹانے کے وعدے کے ساتھ ادھار لیے تھے اسی وجہ سے اس ماہ خرچ

میں کچھ تنگی آگئی تھی اور پھر وہ بخوبی جانتا تھا جبینہ جس بوتیک سے شاپنگ کرتی تھی وہ ایک معروف اور مہنگا ترین بوتیک تھا۔ ”جبینہ پلیز“۔ ابرار نے اس کے دل میں چلک نہ کیا کر جیسے اسے منانا چاہا تھا مگر وہ سننے پر تیار نہ تھی دل میں اب بھی اپنی فرمائش کیے جانے کا قلق تازہ تھا جسے ابرار کی پر محبت بھی کم نہ کر سکی تھی وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر تھو سے چٹن میں چلی گئی تو ابرار کا دل سننے سے دھکنے لگا وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر آفس چلا گیا تھا۔ ”جبینہ بات سنو“۔ وہ اسی روز شام کو آفس سے آتے ہی اسے بکار نہ لگا اباجی مغرب نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہوئے تھے۔ جبینہ نے لاؤنج میں ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہی تھی کہ ابرار نے اسے آواز دی جسے اس نے درخواست منیدانہ سمجھا اور ہنوز اسی کیفیت میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی۔

”میں نے تم کا بندوبست کر لیا ہے تم جلدی سے شاپنگ کے لئے تیار ہو جاؤ“۔

”ج“۔ وہ خوشی سے اپنی ہتھکی اک لمحے میں بھلا کر کھل اٹھی تھی خوشی سے اس کے چہرے جیسے پھول گل اٹھے تھے ابرار مدہوش سا بیٹھا اس کے حسین مکھڑے کو دیکھتا رہ گیا۔

”اگر میں نے کسی دوست سے جبینہ کی خوشیوں کے لئے ادھار لیا ہے تو برا نہیں کیا۔“

اس نے زندگی میں پہلی بار کسی کے آگے ہاتھ پھیلا دیا تھا وہ اس وقت ایسا کرتے ہوئے دل میں بہت شرمندہ تھا مگر اب جبینہ کی خوشی سے کھلتی حسین صورت دیکھ کر مطمئن ہو چکا تھا وہ تیار ہو کر آئی تو اباجی بھی نماز پڑھ کر آچکے تھے وہ دونوں انہیں بتا کر چلے گئے ان کا ارادہ دُزر بھی باہر کرنے کا تھا۔

یہاں کے دلپور کی منگنی تھی۔ گو وہ سسرال سے رات ہی گھر گئی مگر منگنی اسی کے ہاں منعقد کیا گیا۔ صبح و عریض لان کو خوبصورتی سے سجایا گیا۔ لان میں ایک طرف بیچ بنایا گیا تھا جہاں رکھے اور صورت صوٹوں پر اس کا دیور، سسر اور ساس بٹا دیکر رشتے داروں کے ہمراہ بیٹھے تھے لڑکی کے ہمراہ بھی انہما کے ہم پلہ تھے۔ جبینہ بہت چاؤ لہا لہا ہی نیا سوٹ پہن کر آئی تھی جو ابرار نے ایک ہفتہ قبل ہی دلویا تھا وہ یہاں آنے سے پہلے اپنی ڈرائیونگ، جیولری اور شووز ہر چیز سے لے کر سب کچھ اسی کے پاس لے گیا تھا۔ تمام چیزیں اسی کے پاس ہی تھیں وہ خود کو یہاں ان فٹ محسوس کرنے لگی تھی ابرار کے آفس میں ایک میننگ بھی لے رہی تھی وہ اسے اکیلا آتا پڑا تھا ہر طرف میٹھے سات اور بیش قیمت جیولری پہنے بیگمات کھڑی تھیں۔

صبح و عریض لان میں جگہ جگہ ٹیبلوں کے گرد خوبصورتی سے سجائی گئی تھیں۔ یہاں سے بیچ لڑکے قریب ایک ٹیبل کے گرد کئی چیزیں لگے تھے ایک پر بٹھا کر بیچ پر چلی گئی تھی تاکہ وہ سے بھی وقتاً فوقتاً ملتی رہے۔ جبینہ کا بھی بڑی بیش قیمت ملبوسات و زیورات سے نندی ہوئی بیگمات کو دیکھ دیکھ کر احساس کمتری پڑھنے لگا اسے دل میں کٹک محسوس ہونے لگی تھی وہ اس کی گولڈ کے قیمتی سیٹ اور شہر کے میٹھے بوتیک خریدے سوٹ میں ملبوس تھی اور بے حد صورت لگ رہی تھی لیکن اس کا احساس کمتری یہاں آنے پر بچھڑانے پر مجبور کر رہا تھا وہ یہاں کتنے محسوس کرنے لگی تھی۔

”ایلیسکیو زنی“۔ سوچوں اور چپچھتاؤں میں وہ جبینہ کو بلیک شیٹوں کی کادار بار ڈوالی قیمتی کی اور ڈائننگ سیٹ پہنے کھڑی خاتون کی آواز دے لگا دیا۔ وہ مڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگی۔ وہ

بلاشبہ اپنی عمر سے بے حد کم نظر آنے والی ایک گرلیس فل خاتون تھیں۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“ انہوں نے لائٹ اور ڈارک میرون کلرز کے کمیشن کا کادار جدید سٹائلش سوٹ میں ملبوس بے حد دلکش نظر آنے والی جبینہ سے اجازت چاہی جبینہ نے ایک نظر ان کے امارت چھلکاتے وجود پر ڈالی اس کا دل چاہا کہ انکار کر دے کہ اس کے اندر اپنی نا آسودہ خواہشات کا دھواں اٹھنے لگا تھا لیکن پھر مروت و تہذیب کا دامن تھام کر سر اثبات میں ہلا دیا وہ اس کے قریب اک نزاکت سے ساڑھی کا پلو سنھاتی بیٹھ گئیں۔ جبینہ کے گرد اک مہنگے پرفیوم کی خوشبو پھیل گئی۔

”بیٹا کیا آپ شادی شدہ ہیں؟“ انہوں نے اس سے ڈائریکٹ سوال کیا تو وہ گڑبڑا کر ابھی لگا ہوں سے انہیں دیکھنے لگی وہ ان کے سوال کا مقصد اخذ نہ کر پائی تھی۔

”جی۔“ اس نے انہیں استفہامی نظروں سے دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا تھا اس کے جواب پر ان کے سو بر چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔ انہوں نے اس کی ریل گولڈ جیولری کو آرٹیکل سمجھا تھا۔

”بیٹا آپ شاید میرے سوال سے الجھ گئی ہیں۔ دراصل میں اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے آج کل لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔ مجھے اس پارٹی میں موجود لڑکیوں میں سے آپ پسند آتی ہیں اسی لئے میں آپ کے پاس چلی آئی تاکہ آپ سے آپ کے متعلق پوچھ سکوں، لیکن خیر کوئی بات نہیں۔“ انہوں نے جبینہ کے چہرے پر چھائے استفہامی تاثرات جان کر اسے وضاحت سے بتایا اور آخر میں خود ہی جھٹکتی سے مسکرا دیں۔

وہ حقیقتاً اسے پسند کر کے ہی اس کے پاس آئی تھیں انہیں اس کے چہرے کی مصومیت و دلکشی نے متاثر کیا تھا اور اس کے شادی شدہ



وہ پچھلے دو گھنٹے سے کچن میں مصروف تھی کہ ڈور بیل بجی۔ کام میں مصروف جہینہ بری طرح چونکی گھر کی خاموش فضا میں ڈور بیل صور اسرائیل کی مانند گونجی تھی جہینہ نے چکن رولز اور بوائکل چکن کی پلیٹیں اٹھا کر فریج میں رکھیں اور کڑھی کی آج دھبی کر کے دروازے کی جانب بڑھی آج صبح ابرار نے آفس جانے سے قبل اس سے بین کی کڑھی کی فرمائش کی تھی وہ بہت کم کسی چیز کے کھانے کی فرمائش کرتا تھا۔ عموماً جہینہ جو کچھ پکاتی وہ بلا چوں، چرا کپے کھا لیتا آج اس نے بہت دنوں بعد کسی چیز کی فرمائش کی تھی جہینہ اس کے آفس جانے کے بعد گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر کچن میں مصروف ہوئی تھی کل سارا دن وقفے وقفے سے جاری لوڈ شڈنگ کی وجہ سے اسے خدشہ تھا کہ کہیں فریج میں پڑا چکن خراب نہ ہو جائے اسی لئے اس نے کڑھی کے ساتھ چکن رولز اور چکن بریانی بھی بنانے کا سوچا تھا۔ اس کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ بیل ہوئی تھی اس نے جا کر دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی نیہا کو دیکھ کر وہ خوشی سے ہل اٹھی اور وہیں دروازے پر بی

اس کے گلے لگ گئی تھی۔  
”جہینہ تم مجھے اندر تو آنے دو۔“ نیہا نے اسے جیسے احساس دلایا تھا۔ وہ شرمندہ سی اس سے الگ ہوئی اور اسے لئے اندر آگئی اب اسے بھی اپنا یوں دروازے پر ہی نیہا کے گلے لگنا آکر ڈلگ رہا تھا۔ وہ سوچتے ہوئے اسے لئے ڈرائنگ روم میں آگئی یہ اوائل مئی کے دن تھے گرمی زوروں پر تھی اور آج صبح سے ہی جس بہت زیادہ تھا، نیہا سے اس کی ملاقات تقریباً دو ماہ بعد ہو رہی تھی وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں اور وہ اس کی شادی بھی ایک ہی مہینے میں ہوئی تھی۔ نیہا کا میک اپ کامیاب بزنس مین تھا جب کہ جہینہ - - - - - ابرار ایک بن سے کے بعد ایک ملٹی

نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تعینات تھا۔ اس نے اے سی آن کیا اور نیہا کے ساتھ صوفے بیٹھ گئی۔  
”تم سناؤ سنگاپور سے کب واپس آئی ہو۔“ جہینہ نے پوچھتے ہی پوچھا۔

نیہا، نوید کے ساتھ شاپنگ اور آؤٹنگ کے لئے سنگاپور گئی ہوئی تھی۔ نوید کی ایک بزنس پار سے ملنے کے لئے وہاں جانا تھا وہ نیہا کو بھی اس کی فرمائش پر ساتھ لے گیا تھا۔  
”کل رات کو آئی ہوں اور آج تمہارے پاس بھاگی آئی ہوں حالانکہ ابھی میں اپنے کپڑے اور سسرال میں بھی کسی سے نہیں ملی میں نے تمہیں بے حد مس کیا جہینہ۔“ نیہا نے اوپر اوڑھی جاوے اتار کر تہہ لگا کر اسے قریب رکھتے ہوئے حقیقت بیان کی اس کے سچے میں جہینہ کے لئے محبت کی محبت تھی وہ دونوں ایک دوسرے سے یوں ہی محبت کرتی تھیں جہینہ کی نظریں نگ رسک سے نیہا پر ہارک کر رہ گئیں۔ وہ ہلکے اور گہرے فیروزہ نظر کے کاہدار کاشن کے جدید سٹائلش سوٹ میں ملبوس بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

”تم نے یہ سوٹ نیا لیا ہے۔“ اس کی اپنی پذیرائی اور محبت پر دل میں خوش ہوتی جہینہ اس سے پوچھا۔  
”نہیں یار یہ پچھلے سال کا ہے آج میں نے دوسری بار پہنا ہے۔“ وہ تفصیلاً بتانے لگی تھی۔  
”بہت پیارا ہے۔“ جہینہ نے عجب یاسیدہ بھرے لہجے میں اس کی تعریف کی نیہا اس تعریف پر ہولے سے مسکرا دی۔  
وہ اس کی بچپن کی دوست ہونے کے باوجود اس کی فطرت سے واقف تھی۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ جہینہ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر اس چیز کی طرف لپکنے والوں میں سے ہے وہ اس کی مادیت پرست طبیعت سے بخوبی واقف تھی اسی لئے اسے کو

اس نے رہ پائی تھی۔ مادی آسائش زندگی کی باتوں کی ضمانت نہیں ہوتی ہیں۔ جہینہ کو ہمیشہ طرح اس کی نصیحت بری لگی سو وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے چھپائی اسے ایک میگزین ورق والی کے لئے تھا کر پچن میں چل گئی۔ نیہا اس ماتھے کے بل دیکھ چکی تھی۔ مگر مطمئن تھی کہ اس سے خفا نہیں ہو سکتی سو میگزین تھام کر اس کی گردانی کرنے لگی۔ جہینہ نے کچن میں آکر کڑھی چولہے سے نیچے رکھی اور جلدی سے پڑا برتنوں میں لگا لئے کی اس نے رولز تلتے پڑا اوون میں گرم کیا اور برتنوں میں نمک، پیاز، ویفر زہبانے لگی اور گلاسز میں ڈرنکس ڈال کر ب اشاء ٹرائی میں رکھ کر نیہا کے پاس چلی۔ نیہا میگزین سائیز بیل پر رکھ کر سیدھی ہو گئی دونوں کی نگاہوں کے تصادم پر دونوں کے منوں پر دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ نیہا کو اب اس کے چہرے پر پہلے والی خفگی یا جھجھکاہٹ کا رنگ نہ تھا جہینہ کے چہرے پر مسکراہٹ جا کر رہا تھا اسے آسودہ مسکراہٹ جم گئی تھی وہ اپنے اندازے کی درستگی پر مطمئن تھی۔ ان دنوں کی سکول میں اور بھی فرینڈز تھیں لیکن کالج آکر ان کی دوستی صرف اک دو بے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس دوستی میں نیہا کے خلوص اور نیہا کی مادیت پرستی کا بے حد ہاتھ تھا کہ نیہا اک مصروف بزنس مین کی بیٹی اور تین بزنس مین ہانکوں کی بہن تھی۔ نیہا جہینہ کی فطرت سے واقف ہونے کے باوجود اس بات سے بے خبر تھی کہ نیہا کا ڈرائیور اسے تھوڑی دیر بعد لینے آ گیا اور وہ مل گئی جب کہ جہینہ کا ذہن اس کے سوٹ میں ہی اٹکارا گیا تھا۔

-----  
”ابرار!“ نیہا نے بیڈ پر نیم دارز آنکھوں پر ہاتھ لگا کر ابرار کا کندھا ہلاتے ہوئے محبت سے

دیکھا یہ اس کا کسی خواہش کے اظہار کے وقت اک مخصوص انداز تھا جو وہ اپنی بات منوانے کے لئے اپناتی تھی۔

ابرار نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اس کے گھٹے سیاہ سلکی بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرنے لگا وہ اپنے قریب موجود جہینہ کے وجود کی مہک سے اپنی سانسیں مہکا نے لگا۔

”کہو۔“ اس نے نکمیر لہجے میں اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جہینہ اس کی نگاہوں سے جیسے پھٹنے لگی تھی لیکن اپنی بات کہنا بھی ضروری تھا سو وہ بولی۔

”ابرار مجھے ایک سوٹ لینا ہے۔“ ابرار کا جہینہ کے بالوں میں مسلسل حرکت کرتا ہاتھ جہاں کا تھاں رک گیا تھا۔ جہینہ کی روانی سے یہی کئی فرمائش نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ اس کی کیفیت نوٹ کرتی جہینہ نے پوچھا۔ دل میں یہ خدشہ بلکہ کسی حد تک یقین موجود تھا کہ وہ انکار کر دے گا۔

”جہینہ تم چند روز شہر جاؤ میں، میں تمہیں خود شاپنگ کے لئے لے جاؤں گا۔“ اس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے محبت سے اسے جیسے سمجھانا چاہا تھا مگر وہ بدک کر دور ہٹ گئی۔

”مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا کہ تم میری اتنی سی خواہش بھی پوری نہ کرو گے۔“ جہینہ نے پل بھر میں محض اک سوٹ کی خاطر ابرار کی ایک سالہ ازدواجی زندگی میں لمحہ بہ لمحہ خوشبو بن کر مہکتی محبت کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اس نے اس کی لمحہ بہ لمحہ خوشیاں بکھیرتی محبت کو فراموش کر دیا تھا اس کو اس وقت ابرار کے دلی احساسات کی پرواہ بھی نہ رہی تھی اسے اگر کسی چیز کی پرواہ تھی تو وہ صرف اپنی خوشیوں کی، اپنی خواہشات کی تکمیل کی۔ اسے اس وقت یہ قلق گھائے جا رہا تھا کہ ابرار نے اس کی ایک چھوٹی سی خواہش پوری نہ کی تھی اسے



یہ دکھ کھائے جا رہا تھا کہ نہا کو نوید بیرون ملک  
گھما کر لے آیا اور ابرار اسے اک سوٹ نہ دلا رہا  
تھا حالانکہ ابرار نے انکار نہ کیا تھا وہ اسے انکار کر  
ہی نہ سکتا تھا وہ تو اس کی زندگی کی سب سے بڑی  
سچائی تھی پھر وہ اسے کیسے انکار کرتا تو وہ صرف  
چند دن کی مہلت مانگ رہا تھا مہینے کے آخری دن  
تھے اور اس کے پاس رقم کی ذرا گنجی تھی اسی لئے  
اس نے مہلت مانگی تھی مگر جبینہ ناراض ہو کر اٹھ  
کر باہر چلی گئی اور وہ ضبط سے مٹھیاں بچھ کر رہ  
گیا۔

-----

”جبینہ پلیر“ وہ رات سے پونہی اس سے  
خفا تھی وہ سچ سے اسے خاموشی سے مسلسل مختلف  
کاموں میں مصروف دیکھ رہا تھا۔ وہ آفس کے  
لئے تیار ہو کر ناشتے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر آ کر  
بیٹھا تو ابا جی اخبار لئے ناشتے کے بعد ٹیبل سے  
اٹھ کر اپنے کمرے میں پڑھنے کے لئے چلے  
گئے۔ جبینہ اس کے لئے ٹیبل پر ناشتہ لگا کر اسی  
مطبخ خفائی واپس کچن میں جانے لگی تو ابرار نے  
جی ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ وہ  
اس کی خفائی برداشت نہ کر پا رہا تھا۔ دونوں کی  
سال بھر کی ازدواجی زندگی میں یہ ناراضگی کا پہلا  
موقع تھا کہ ابرار نے اس کی کوئی خواہش رد کی تھی  
ابرار کے دل میں اس کے رویے پر تاسف ابھر  
رہا تھا کہ وہ ابرار کی مجبوری سمجھنے کی بجائے اس  
سے ناراض ہو گئی تھی وہ اپنی ساری خواہ لا کر اس  
کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا جبینہ نے بھی بچت نہ کی تھی  
وہ اس کی ساری خواہ مہینے بھر میں ہی خرچ کر دیتی  
تھی۔ حالانکہ ابرار کے ابا جی نے اسے ایک دو بار  
دبے لفظوں میں سمجھانا بھی چاہا مگر اس پر کوئی اثر  
نہ ہوا اس ماہ ابرار سے اس کے ایک سینئر کو لیگ  
نے چند ہزار روپے اگلے ماہ لوٹانے کے وعدے  
کے ساتھ ادھار لیے تھے اسی وجہ سے اس ماہ خرچ

میں کچھ بچتی آگئی تھی اور پھر وہ بخوبی جانتا تھا  
جبینہ جس بوتیک سے شاپنگ کرتی تھی وہ  
ایک معروف اور مہنگا ترین بوتیک تھا۔  
”جبینہ پلیر“۔ ابرار نے اس کے رو  
میں چمک نہ پا کر جیسے اسے منانا چاہا تھا مگر وہ  
سننے پر تیار نہ تھی دل میں اب بھی اپنی فرمائش  
کیے جانے کا قلق تازہ تھا جسے ابرار کی پر  
محبت بھی کم نہ کر سکتی تھی وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر تیرے  
سے کچن میں چلی گئی تو ابرار کا دل نئے سرے سے  
دکھنے لگا وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر آفس چلا گیا تھا  
”جبینہ بات سنو“۔ وہ اسی روز شام کو آفس  
سے آتے ہی اسے ریکارڈ لگا ابا جی مغرب کی  
نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہوئے تھے۔ جبینہ نے دل  
لاؤنج میں ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ دیا  
تھی کہ ابرار نے اسے آواز دی جسے اس نے  
درخواست مندانہ سمجھا اور ہنوز اسی کیفیت میں  
بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی۔

”میں نے رقم کا بندوبست کر لیا ہے تم جلدی  
سے شاپنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔“  
”سچ؟“ وہ خوشی سے اپنی خفائی اک لمحے میں  
بھلا کر کھل اٹھی تھی خوشی سے اس کے چہرے پر  
جیسے پھول کھل اٹھے تھے ابرار مدھوش سا بیٹھا اس  
کے حسین کھڑے کو دیکھتا رہ گیا۔  
”اگر میں نے کسی دوست سے جبینہ کی خوشیوں  
کے لئے ادھار لیا ہے تو برا نہیں کیا۔“

اس نے زندگی میں پہلی بار کسی کے آگے  
ہاتھ پھیلا یا تھا وہ اس وقت ایسا کرتے ہوئے دل  
میں بہت شرمندہ تھا مگر اب جبینہ کی خوشی سے کھلتی  
حسین صورت دیکھ کر مطمئن ہو چکا تھا وہ تیار ہو کر  
آئی تو ابا جی بھی نماز پڑھ کر آچکے تھے وہ دونوں  
انہیں ہٹا کر چلے گئے ان کا ارادہ ڈنر بھی باہر کرنے  
کا تھا۔

-----

نہا کے دیواری مگنی تھی۔ گو وہ سسرال سے  
لگ رہی تھی مگر فنکشن اسی کے پاس منعقد کیا گیا  
۔ وسیع و عریض لان کو خوبصورتی سے سجایا گیا  
لان میں ایک طرف سچ بنایا گیا تھا جہاں رکھے  
میں صورت صوٹوں پر اس کا دیو، سسر اور ساس  
نے دیکر رشتے داروں کے ہمراہ بیٹھے تھے لڑکی  
کے بھی انہی کے ہم پلہ تھے۔ جبینہ بہت چاؤ  
کے اپنا وہی اینپ سوٹ پہن کر آئی تھی جو ابرار نے  
اسے ایک ہفتہ قبل ہی دلویا تھا وہ یہاں آنے سے  
اپنی ڈیرنگ، جیولری اور شووز ہر چیز سے  
کچن میں مگر اب یہاں شہری تمام برنس مین اور  
ایم ایکس تھی وہ خود کو یہاں ان فٹ محسوس  
نے لگی تھی ابرار کے آفس میں اک میننگ بھی  
وہ نہ آیا اور اسے اکیلا آنا پڑا تھا ہر طرف مہنگے  
سات اور بیش قیمت جیولری پہنے بینکات کھڑی  
تھیں۔

وسیع و عریض لان میں جگہ جگہ ٹیبلز کے گرد  
خوبصورتی سے سجائی گئی تھیں۔ نہا اسے سچ  
قد رے قریب ایک ٹیبل کے گرد لگی چیرز  
سے ایک پر بٹھا کر سچ پر چلی گئی تھی تاکہ وہ  
سے بھی وقت فوقت ملتی رہے۔ جبینہ کا بچی  
پاری بیش قیمت ملبوسات و زیورات سے لدی  
تھی بینکات کو دیکھ دیکھ کر احساس کمتری پڑھنے  
کا تھا اسے دل میں کسک محسوس ہونے لگی تھی وہ  
وہی گولڈ کے ہتھی سیٹ اور شہر کے مہنگے بوتیک  
خریدے سوٹ میں ملبوس تھی اور بے حد  
صورت لگ رہی تھی لیکن اس کا احساس کمتری  
یہاں آنے پر بچھتا ہے پر مجبور کر رہا تھا وہ  
یہاں کمر محسوس کرنے لگی تھی۔

”ایسکوزی“۔ سوچوں اور پچھتاؤں میں  
جبینہ کو بیک شیفتوں کی کامدار بارڈ والی مینی  
کی اور ڈائمنڈ سیٹ پہنے کھڑی خاتون کی آواز  
بولکا دیا۔ وہ مڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگی۔ وہ

بلاشبہ اپنی عمر سے بے حد کم نظر آنے والی ایک  
گرلیس فل خاتون تھیں۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“ انہوں  
نے لائٹ اور ڈارک میرون کلرز کے مینیشن کا  
کامدار جدید سٹائلش سوٹ میں ملبوس بے حد دلکش  
نظر آنے والی جبینہ سے اجازت چاہی جبینہ نے  
ایک نظر ان کے امارت چھلکاتے وجود پر ڈالی  
اس کا دل چاہا کہ انکار کر دے کہ اس کے اندر اپنی  
نا آسودہ خواہشات کا دھواں اٹھنے لگا تھا لیکن پھر  
مروت و تہذیب کا دامن تھام کر سر اثبات میں  
بلا دیا وہ اس کے قریب اک نزاکت سے ساڑھی  
کا پلو سنھالتی بیٹھ گئیں۔ جبینہ کے گرد اک مہنگے  
پر فیوم کی خوشبو پھیل گئی۔

”بیٹا کیا آپ شادی شدہ ہیں؟“ انہوں  
نے اس سے ڈائریکٹ سوال کیا تو وہ گڑبڑا کر  
الٹھی لگا ہوں سے انہیں دیکھنے لگی وہ ان کے سوال  
کا مقصد اخذ نہ کر پاتی تھی۔

”جی۔“ اس نے انہیں استفہامیہ نظروں سے  
دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا تھا اس کے جواب پر  
ان کے سو برچہ پرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔ انہوں  
نے اس کی ریشل گولڈ جیولری کو آرتھیکٹل سمجھا تھا۔

”بیٹا آپ شاید میرے سوال سے الجھ گئی  
ہیں۔ دراصل میں اپنے اگلوتے بیٹے کے لئے  
آج کل لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔ مجھے اس پارٹی  
میں موجود لڑکیوں میں سے آپ پسند آتی تھیں اسی  
لئے میں آپ کے پاس چلی آئی تاکہ آپ سے  
آپ کے متعلق پوچھ سکوں، لیکن خیر کوئی بات  
نہیں۔“ انہوں نے جبینہ کے چہرے پر چھائے  
استفہامیہ تاثرات جان کر اسے وضاحت سے  
بتایا اور آخر میں خود ہی حلقہ بندی سے مسکرا دیں۔

وہ حقیقتاً اسے پسند کر کے ہی اس کے پاس  
آئی تھیں انہیں اس کے چہرے کی معصومیت و  
دلکشی نے متاثر کیا تھا اور اس کے شادی شدہ



ہونے کا سن کر اپنی ”مہم“ کی ناکامی کا افسوس بھی ہوا تھا لیکن یہ سوچ کر چپ ہو رہیں کہ نجانے وہ لڑکی ان کے متعلق کیا سوچے پھر وہ خاتون تو معذرت کرنی اٹھ کر چلی گئیں لیکن اس کے اندر اشتہادھواں اب بھانپڑہیں چکا تھا اس کا وجود سوکھی لکڑی کی طرح تیزی سے جلنے لگا تھا اس لمحہ اسے اپنے والدین پر غصہ اور افسوس بھی ہوا تھا وہ اس بل ابرار کی محبت، جاہت، خلوص کو بھلا چکی تھی وہ یہ بھی بھول چکی تھی کہ ابرار نے بھی اس کی کوئی خواہش رد نہ کی تھی اور پھر اس روز رات کو گھر آ کر ابرار کی محبت کی قربت بھی اس کے اندر سے یاسیت کے بادل نہ چھٹا سکی تھی۔

ابراہیم اور آمنہ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیوں سے نوازا تھا انہوں نے اپنے محدود وسائل سے تین بیٹیوں کی بہتر پرورش کی کوشش کر لی تھی وہ ایک پرائیویٹ دفتر میں ملازم تھے ان دونوں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو صبر و قناعت کی تعلیم دی تھیں ان کی بڑی دونوں بیٹیاں تو صابرو قانع تھیں لیکن جہینہ میں نہ تو صبر تھا اور نہ ہی قناعت، وہ اپنی آنکھوں میں اونچے خواب سجائے ہوئے تھی جہینہ اور جہینہ کی شادیاں بھی انہی کی طرح کے متوسط طبقے میں ہوئی تھیں جب کہ جہینہ تو محلوں کے خواب دیکھتی تھی اس کی آنکھوں میں چھپے سنے آمنہ نے پہچان لئے تھے اور وہ ہر وقت اس کے لئے دعا گو رہتی تھیں ابرار ایک ملٹی ٹیکسٹائل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تعینات تھا ابرار نے جہینہ کو اک فنکشن میں اک نظر دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا اور اپنے ابا جی کو لے کر رشتہ کے لئے ان کے گھر آ گیا ابرار کی والدہ فوت ہو چکی تھیں اور وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ ابراہیم اور آمنہ کو یہ رشتہ اتنا بھایا کہ انہوں نے مروینا بھی سوچنے کا وقت نہ مانگا اور فوراً ہاں کر دی گئی تھی دراصل ابرار کے والد ابراہیم صاحب کے جاننے والے نکل

مسکراہٹ دیکھ کر آسودہ ہو جاتا تھا اور اپنی ان گلہناؤں کو بھلا دیتا تھا جو اس نے جہینہ کی خوشیوں کی خاطر سہی ہوئی تھیں۔

”کیا..... کیا کیا تم نے، اگر تم اپنی یہ خواہش دوبارہ کبھی زبان پر لائیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا جہینہ!“ ابرار نے غصے سے دے لے لے میں سے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ ابا جی ابھی تھوڑی دیر قبل سوئے تھے وہ ان کی نیند خراب نہ کرنا چاہتا تھا اور پھر جہینہ کی مزید کوئی بات سننے بغیر اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا کہ اس ایک بات کے بعد اسے مزید کچھ نہ سنا تھا۔ وہ ابھی آسمن سے گھبراہٹا آ کر سونے کے لئے لیٹا ہی تھا کہ دو محبت مری بائیں ناز و ادا سے اس کے گلے میں آن گئیں وہ اب جہینہ کے اس انداز کو بخوبی پہچانتا تھا۔ اس نے نیند سے مندی آنکھیں کھول کر جہینہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

”ابراہیم! ہم یہ گھر اور میرے تمام زیورات کچھ کرکسی پوش ایریا میں شفٹ ہو جاتے ہیں۔“ ابرار بدک کر برے ہٹا اس کے لئے یہ انداز نہ تھا فرمائش ہی تھی وہ اس سے آج یہ مانگے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس نے غصے سے اس کی آنکھوں پر بے جھٹکس جب کہ جہینہ نے اپنی تینوں اس کی معاشی مدد بھی کرنا چاہی تھی دراصل جہینہ کو اپنے احساس کمتری کے باعث یہ گھر نا مناسب لگنے لگا تھا حالانکہ یہ شہر کی بہترین کالونی میں آٹھ مرلہ گھر اپنی بناوٹ کے لحاظ سے بے عدا اچھا تھا مگر جہینہ کے دل و دماغ میں جب کوئی بات ٹھہر جاتی تو پوری کر کے چھوڑتی اب بھی اس نے محبت کے لئے لاڈ سے اک فرمائش کی تھی لیکن ابرار کا رد عمل اتنا غیر متوقع اور سخت تھا کہ وہ حیران رہ گئی ابرار کب کا اٹھ کر جا چکا تھا اور وہ پتھر کی مانند محبت سے بت بنی بیٹھی تھی۔

وہ اس پہلو پر جتنا سوچتا اتنا ہی پریشان ہو اٹھتا وہ پریشانی سے اٹھ کر لاڈلج میں بیٹھنے لگا تھا وہ اس وقت یہ بات بھی فراموش کر چکا تھا کہ اگر ابا جان اسے یوں یہاں ٹھکانا دیکھتے تو کیا سوچتے۔ وہ تھک کر اک صوفے پر بیٹھ گیا اور اس نے سر بیک سے ٹکا دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شادی کے بعد کی زندگی کی ریل گھومنے لگی جہینہ صرف اپنی مادی خواہشات سے محبت رکھتی ہے میں نے اسے زیورات، کپڑے، جوتے اور دیگر اشیاء لے دیں کہ وہ خوش رہیں۔ اس بل وہیں بیٹھے بیٹھے اسے یہ بھی یاد آیا تھا کہ جہینہ نے اس سے پہلی بار قطع کلامی بھی اک سوٹ کی خاطر کی تھی اس نے ابرار کی ساری وفا کیں، چاہتیں، خلوص اور محبتیں صرف اک سوٹ کی خاطر بھلا دیں اور اس سے اک روز تک بات چیت نہ کی اور اب پہلی بار اسے یہ خیال بھی آیا تھا کہ اگر وہ اس کی خواہش نے پوری کرتا تو وہ اس سے نجانے کب تک ناراض رہتی یہ ساری سوچیں اسے ناگ کی مانند ڈسنے لگیں اسے جہینہ کا ”اصل روپ“ آج پہلی بار سمجھ میں آیا تھا وہ تو اپنی خواہشات کی چھان بھی اسے تو محبت و خلوص جیسے جذبوں کی کوئی قید رہی نہ تھی اور اب پہلی بار اسے یہ سوچ بھی آئی تھی کہ وہ تو شاید اس سے نہیں اس کی کمائی سے محبت کرتی ہے اس سوچ کے آتے ہی اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہونے لگیں۔ لیکن اب وہ اس کی یہ خواہش کسی سوچ پر پوری نہ کر سکتا تھا۔ کہ اسے اور ابا جی کو یہ گھر بے حد عزیز تھا ان دونوں کی اماں کی وفات کے تیرہ سال بعد بھی اس گھر کے چپے چپے سے اماں کی بہک آتی تھی اس گھر کو اماں نے بے حد رمانوں سے سجایا تھا انہوں نے اس گھر کے چپے چپے کو اپنے ہاتھوں سے سنوارا تھا پھر وہ اس گھر کو بیچنے کا



موجہا بھی تو کیسے۔ وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو جہینہ نے کب کی سوچھی ابرار کے اندر جہینہ کی بے تو بھی پردہ کی اک لہر اٹھی تھی جسے وہ دبا کر اس کے برابر سونے کے لئے آن لیٹا تھا اور کروٹ بدل کر پللیں موند لیں اس کے دل میں جہینہ سے شکوہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

اگلے روز جہینہ ناشتے پر ابرار کی کسی پکار کی منتظر ہی رہی لیکن ابرار نے اسے نہ پکارا وہ ناراضگی کے طور پر ابرار سے بظاہر اعلانیٰ رہی ورنہ تو وہ اس کی پکار کی منتظر تھی مگر وہ بے خبر تھی کہ اس بار وہ ہی نہیں بلکہ ابرار بھی اس سے ناراض ہے اور اس کی فرمائش نہ ماننے کا فیصلہ کر چکا ہے وہ جب سے یہاں کے ہاں ان خاتون سے مل کر آئی تھی اس کی خود ترسی بے حد بڑھ چکی تھی اسے اپنے والدین سے بھی حد لگہ تھا جنہوں نے اس کے ماسٹرز کرتے ہی اسے بوجھ کی طرح فوراً اتار پھینکا تھا اگر وہ سال دو سال انتظار کر لیتے تو اب وہ خود ایک پرورش زندگی گزار رہی ہوتی وہ ایسا سوچتے ہوئے ابرار کی بے پناہ محبتوں اور چاہتوں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ابرار کے کیئے گئے جتنی فراموش کر دیتی تھی وہ ناشکری کی انتہا پر پہنچ جاتی تھی۔ ابرار ناشتے کر کے اس سے کوئی بات کیے بغیر آفس گیا تو وہ اس کے غصے یا خفگی پر پریشان ہونے کی بجائے اپنی ناقدری پر کڑھنے لگی تھی۔

”مجھے اماں کے گھر رہنے کے لئے جانا ہے۔“ وہ اس روز آفس سے تھکا ہارا گھر لوٹا تو جہینہ کو کہتے سنا یہ نجانے اس نے ابرار کو آگاہ کیا تھا یا اجازت مانگی تھی وہ سمجھ نہ پایا۔ ان دونوں کے درمیان پچھلے چار پانچ روز سے بات چیت بندھی جہینہ خود غریبی کی انتہا پر پہنچ چکی تھی اسے اب یہ

اپنی انا کا مسئلہ محسوس ہونے لگا تھا وہ بجائے ابرار کو منانے کی اپنی ضد پر اڑ گئی تھی گو اس نے پہلے چار روز سے دوبارہ اپنی خواہش کا اظہار نہ کیا لیکن اپنی خواہش کو دل سے نکالا بھی نہ تھا اب اسے یہی بہتر حل لگا تھا کہ وہ اماں کے گھر جا کر کاڈ کر چھیڑے اس کا خیال تھا کہ ایسے ابرار اسے روکنے کی کوشش کرے گا اور اسے منائے گا اور ابرار کی ہزار منتوں کے بعد مانے گی اور گھر چھوڑنے کی شرط پر، لیکن وہ اس وقت ہکا بکا رہ گئی جب کپڑے بدلنے کے لئے واش روم کی طرف بڑھتے ابرار نے ہاتھوں میں پکڑے پکڑے سا پڑے صوفے پر رکھے اور بیڈ کی دراز سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے اسے کہا۔

”تم تیار ہو جاؤ میں چھوڑ آتا ہوں۔“ وہ چند ثانیے حیرت سے ہلکا ہکا کھڑی رہ گئی اس کا دل اپنی امی کے گھر جانے کا قطعاً کوئی یہ گرام نہ تھا اس نے تو جیسے ٹریپ کا راز سمجھ لیا۔ اپنے جال میں خود پھنس چکی تھی اور اسے اپنی بات کا بھرم رکھنے کو چار و ناچار تیار ہونا پڑا تھا ابرار اس اثناء میں گاڑی کی چابی نکال چکا تھا گاڑی ابرار کو پچھلے ماہ مینی کی طرف سے پرموشن کے ساتھ ملی تھی ورنہ تو جہینہ کا ارادہ یہ گاڑی کے ہی مطالبے کا تھا۔ وہ مجبوراً تیار ہو کر گیراج میں گاڑی میں بیٹھے ابرار کے پاس آئی وہ ساتھ کپڑوں کا بیگ بھی لے آئی تھی۔ تاکہ ابرار کو احساس ہو کہ وہ کافی دن رہنے کا ارادہ رکھتی ہے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس کے گاڑی میں بیٹھے ہی گاڑی گیراج سے باہر نکالنے لگا ان کے درمیان سارے راستے کوئی بات نہ ہوئی جہینہ اپنی خواہشات کو بے حد عزیز رکھتی تھی اس بات کا اندازہ ابرار کو اب بخوبی ہونے لگا تھا اس کا دل اس جہینہ کو روکنے پر مجبور کرنے لگا لیکن اس نے دل کو ڈپٹ دیا جہینہ کو روکنے کا مطلب

اس کی خواہش ماننا تھا جو اسے ہرگز قبول نہ تھی جہینہ میری ایک بات یاد رکھنا تم خود یہاں رہنے آئی ہو اب تم واپس بھی خود آؤ گی۔ وہ گاڑی سے اتر کر خدا حافظ کہے بغیر گیٹ کی طرف بڑھی تو ابرار کو کہتے سنا۔ اس نے بے ساختہ مڑ کر اسے دیکھا مگر وہ گاڑی زن سے اڑا لے گیا اس نے جہینہ کے رد عمل کو جاننے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور اس بل واپس کھڑے اس نے پہلی بار اپنی فرمائش پر پچھتاوا محسوس کیا تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کی بڑی دونوں بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں اماں اس وقت واش روم میں تھی جب کہ ابو مسجد میں نماز پڑھنے گئے ہوئے دونوں بہنیں اس سے بے حد گرجوشی سے ملیں۔ ”تم رہنے آئی ہو جہینہ۔“ اور جہینہ آپنی نے اس کے کندھے سے لٹکے، بیگ کو دیکھ کر پوچھا وہ سر اشات میں ہلائی ان سے مل کر اپنے کمرے میں جا کر بیگ رکھ آئی اور آکر بہنوں سے بظاہر خوشدلی سے باتیں کرنے لگی اسی اثناء میں امی اور ابو بھی آگئے وہ تینوں بیٹیوں کو اکٹھا دیکھ کر بے حد خوش تھے یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ تینوں بہنیں جہینہ کی شادی کے بعد اکٹھی ہوئی تھیں۔

”جہینہ، ابرار نہیں آیا ہے کیا؟“ امی نے کچھ دیر بعد ابرار کی کمی محسوس کی تو استفساد کیا وہ سبے تینوں کی آمد کی خوشی میں یہ چیز محسوس نہ کرتی تھیں۔

”امی وہ ایک ہفتے کے لئے کمپنی کی طرف سے اسلام آباد آگئے بس اس لئے میں اکیلی ہی آئی ہوں۔“ اس نے امی کو مناسب بہانہ گھڑ کر مطمئن کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے دونوں بہنوں بھی آگئے اور پھر کھانا کھا کر سب چلے گئے ان کے جانے کے بعد امی نے جہینہ سے کہا۔

جہینہ ان کے ہمراہ اپنے کمرے میں آگئی ابراہیم اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

”جہینہ تم کتنے دن رہنے آئی ہو۔“ کمرہ سیٹ کرتے ہوئے آمنہ کی نظر اس کے کپڑوں سے بھرے بیگ پر پڑی تو چونک کر پوچھنے لگیں وہ اتنا تو سمجھ چکی تھیں کہ یہاں رہنے آئی ہے لیکن وہ اس کا پھولا ہوا بیگ دیکھ کر ٹھٹھک گئیں ان کے دل میں وسوسے اٹھنے لگے۔

”امی ابرار ایک ہفتے۔۔۔۔۔“

”مگر بیٹا تمہیں اپنے سر کا ابرار کے پیچھے خیال رکھنا چاہیے نہ کہ تم یہاں رہنے آ جاؤ۔“ کہیں انہیں تنہا ہی عدم موجودگی میں کھانے پینے میں کوئی تنگی نہ ہو۔“ آمنہ نے جہینہ کی بات کاٹ کر اسے محل و بردباری سے سمجھایا بلکہ انہیں یہ یقین وثاق تھا کہ وہ ہفتہ بھر ہی رہنے آئی ہے جہی تو کپڑوں سے بھرا بیگ لائی ہے۔ انہیں جہینہ سے یہ امید نہ تھی کہ وہ شوہر کی عدم موجودگی میں سر کو بے آسہارا چھوڑ آئے گی۔

”امی آپ خواہ خواہ پریشان ہو رہی ہیں میں صرف دو تین دن رہنے آئی ہوں اور ان کے لئے کھانا بنا کر فریڈ کر آئی ہوں۔“ اس نے آمنہ کو مطمئن کرنا چاہا تھا آمنہ نے اسے جاچتی نظروں سے سرتا یاد دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔ آمنہ کی جہان دیدہ نگاہیں کسی گڑبڑ کے احساس کو بھانپ گئی وہ اس کا جھوٹ پکڑ گئیں اس لئے بولیں۔

”دیکھ جہینہ مجھ سے کچھ مت چھپا۔“

”جو بات ہے سچ بتا دے۔“ انہوں نے نرمی سے اسی سے اصل بات اگلوٹا جاتی کہ کہیں وہ اصل بات بتانے سے ہی انکار نہ کر دے وہ ضدی بھی تو بہت تھی۔

”امی میں آپ سے کوئی جھوٹ تھوڑا بولوں گی۔“ اس نے اپنے لہجے کے کھوکھلے پن کو خود بھی محسوس کیا تھا لیکن اس وقت اصل مسئلہ آمنہ کو مطمئن کرنا تھا آمنہ کو بتانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود واپس چلی جائے جب کہ وہ ابرار کے بغیر جانا



نہ چاہتی تھی کہ اس طرح اس کی ابرار کی نظروں میں وقعت بنتی وہ بے خبر تھی کہ وہ تو ابرار کی نظروں میں تو کیا دل سے بھی اپنی وقعت گھٹا چکی تھی۔

”آمنہ!“ ابراہیم نے آمنہ کو چائے کے لئے پکارا یہ ان کی عادت تھی کہ وہ چائے پیئے بغیر نہ سوتے تھے۔

”امی آپ بے فکر ہو کر جائیں آپ دیکھ لیجئے گا کہ میں دو تین روز بعد خود چلی جاؤں گی۔“ اس نے اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے کہا اور محبت سے ان کے کندھے پر تھام لئے۔

”آمنہ!“ ابراہیم نے دوبارہ پکارا۔ تو وہ دل میں اٹھتے وسوسوں، اندیشوں کو بے شکل دہانی باہر نکل گئیں ان کے اندر کسی انہونی کا احساس رہ رہ کر سرا بھار رہا تھا۔ جہینہ نے ان کے جانے کے بعد ایک مطمئن سانس خارج کی اور دروازہ بند کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی۔ مگر تیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس نے کروٹ بدل کر تکیہ درست کر کے سونا چاہا مگر نیند نادر، وہ تو ابرار کی محبت بھری یزم و مہربان آغوش میں سونے کی عادی ہو چکی تھی اسے پچھلے ایک ہفتے بعد یہی مرتبہ احساس ہوا کہ ابرار اس کے لئے کتنا اہم تھا اس کے کانوں میں ابرار کی محبت بھری سرگوشیاں کانوں میں گونجیں تو وہ بے کلی و بے قراری سے اٹھ بیٹھی۔

”ابرار!“ جہینہ نے دھیرے سے اسے پکارا جو پچھلے چار روز سے اس کی ایک پکار کا منتظر تھا۔ وہ بے چینی سے اٹھ کر کمرے میں ٹپکنے لگی آنسو اس کے گالوں کو تیزی سے بھگونے لگے اس کا ہدم و غمسا ز اس کے ہمراہ نہ تھا سوا اسے آج رات اپنا ہر دکھ، ہر غم تنہا ہی سہنا تھا۔

دیوار گیر وال کلاک نے سات بجنے کا الارم بجایا تو اس کے سونے ہوئے اعصاب جھنجھلا کر

اٹھ گئے۔

”اوہ ابھی ابرار کو ناشتہ بنا کر دینا ہے آج تو خاصی دیر ہو گئی ہے۔“ وہ رات نہ جانے کب تک روتی رہی تھی اور نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ کی نمی کہ اب کلاک کے الارم پر آنکھ کھلی تھی وہ تیزی سے اپنے کھلے بال سمیٹتی اٹھی اور اگلے پل اتنی ہی تیزی سے صھٹک کر رک گئی اس نے اپنے چاروں اطراف نگاہ ڈالی اور اک گہرا سانس بھر کر رہ گئی وہ اپنے بستر پر آن بیٹھی اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جس کی سوئیاں 7:10 بجا رہی تھیں نہ جانے وہ کیسے تیار ہوا ہوگا۔ اس نے نہ جانے کپڑے رات کو پر لیں کیسے ہوں گے یا صبح نہیں وہ ناشتہ کیسے بغیر آفس نہ چلا جائے اسے کئی خدشات ستانے لگے تھے وہ دل میں اٹھتے دروازہ دہانی ابرار کی بے توجہی پر رونے لگی تھی اسے ابرار شدت سے یاد آنے لگا تھا اور اسے یاد کرتے ہوئے وہ اپنی فرمائش بالکل بھول چکی تھی۔

-----

وفار سوا نہیں کرنا  
سنو ایسا نہیں کرنا  
میں پہلے ہی اکیلا ہوں  
مجھے تنہا نہیں کرنا  
میری ان جھیل آنکھوں کو  
بھی حیران نہیں کرنا  
جدائی بھی جو آجائے  
دل چھوٹا نہیں کرنا  
بہتم صرف ہو جانا  
مجھے سوچا نہیں کرنا  
میری تکیل تم سے ہے  
مجھے ادھورا نہیں کرنا  
وفار سوا نہیں کرنا  
سنو ایسا نہیں کرنا  
وفار سوا نہیں کرنا

وہ آفس سے ابھی لوٹا تھا گھر کے سنائے اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے وہ کپڑے بدلے بغیر بیڈ پر جوتوں سمیت نیم دراز ہو گیا اور محبت کو دیکھنے لگا اسے بہت پہلے کہیں پڑھی نظم یاد آنے لگی۔ تو جہینہ کا دلکش و خوبصورت سراپا اس کی آنکھوں میں آن بھرا تھا اس کے اندر درد کی لہریں بھری موجوں کی مانند ٹھوکریں مارنے لگیں تو وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچتا اٹھ بیٹھا تھا اس کی آنکھوں میں جیسے مریچیں بھرنے لگیں ابا جی نماز عشاء کے لئے مسجد گئے ہوئے تھے جہینہ کو گئے آج ابھی دوسرا دن تھا اس کا دل ایک دن میں ہی اس کی جدائی سے تڑپ رہا تھا اور وہ تو اسے کہہ آیا تھا کہ اسے اب خود آنا ہوگا۔ اسے لینے کوئی نہیں آئے گا اور اب دل تڑپ تڑپ کر اس نامہربان کو پکار پکار کر دہائیاں دے رہا تھا ابا جان نے اس سے جہینہ کے متعلق استفسار کیا تو اس نے انہیں اہنیہ کے چند روز میکے میں رہنے کا بتایا تھا ابا جان بے حد حیران ہوئے تھے جہینہ شادی کے بعد صرف دو روز میکے میں رہی تھی وہ صبح جا کر شام کو آ جاتی تھی ابھی اسے ابراہیم چھوڑ جاتے اور ابھی ابرار آفس سے واپسی پر اسے لپٹا ہوا آ جاتا۔ اب وہ چند روز رہنے کے لئے گئی تھی۔ وہ حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے۔

”مگر بیٹا!“ انہوں نے اپنی حیرانگی دور کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہا تو ابرار نے ہولے سے مسکرا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلا کر رہ گئے تھے۔ ابرار کی آنکھوں میں آنسو اکٹھے ہونے لگے۔

”ابرار بیٹا!“ ابا جان غالباً نماز پڑھ کر آ گئے تھے اور اسے کھانے کے لئے بلا رہے تھے وہ انہیں جہینہ کی خواہش اور ناراضگی کا پتا کر پریشان نہ کرنا چاہتا تھا ابا جان کو بھی یہ گھر اتنا ہی عزیز تھا جتنا کہ اسے۔ اس نے فوراً اپنی آنکھیں سختی سے

رگڑ ڈالیں۔

”ابرار آؤ بیٹا کھانا کھا لیں۔“ وہ اسے پکارتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئے وہ مسجد سے واپسی پر راستے میں اک ہونٹ سے کھانا لیتے آئے تھے۔ ابا جان اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ چکے تھے وہ ابرار اور جہینہ میں موجود تناؤ کو اب بخوبی محسوس کرنے لگے تھے محض ایک دن میں ابرار کی صورت اترا آئی تھی۔ یہ انہیں حقیقت سمجھا رہی تھی اور وہ اس کے دیئے گئے جواب سے بھی تو مطمئن نہ ہوئے تھے۔

”آفس ابا جان۔“ ابرار ابا جان کی کھوجتی آنکھیں خود پر گڑھی پا کر راہ فرار ڈھونڈنے لگا۔ ”بیٹھو ابرار۔“ انہوں نے ابرار کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب بٹھا لیا۔ ان کے لمبی سر جھجے اور کھوجتی نظروں سے ابرار کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اس سے حقیقت اگلا کر رہیں گے۔

”بیٹا میرا تو خیال تھا کہ تم دونوں دوست ہیں۔“ ابا جان کے پر شکوہ لہجے نے اسے خفیف کر دیا۔ ابا جان نے سائرہ (بیوی) کی وفات کے بعد ابرار کو باپ اور دوست بن کر پا لیا تھا ابرار ان سے بلا جھجک ہر بات کر لیتا تھا اب وہ ان سے کچھ چھپا رہا تھا تو ان کا شکوہ بجا تھا۔

”ابا جان! جہینہ اس گھر کو بیچ کر ایک پوش ایریا میں گھر خریدنے کی ضد کر رہی ہے۔“ ابرار نے جیسے ان کے سر پر بم مارا تھا یہ وہ نہ جانتے تھے کہ جہینہ اپنی مادی خواہشات میں محصور ہو کر خود سے وابستہ افراد کو خوشیاں بھلا ڈالے گی۔ وہ سارکت رہ گئے تھے۔ ابرار نے انہیں دھیرے دھیرے ساری بات بتا دی تھی۔

”ابرار! تم کسی پراپرٹی ڈیلر سے رابطہ کرو۔“ چند لمحوں بعد ابا جان کی حکم پر آواز نے کمرے کی خاموش فضا کو چیرا وہ اس گھر کو اپنے عزیز از جان اگلاتے بیٹے کی خوشیوں پر مقدم نہ سمجھتے



تھے۔ ”نہیں ابا جان! یہ گھر صرف ہم دونوں ہی کو عزیز نہیں ہے بلکہ مجھے آج بھی اس گھر سے امی کی خوشبو آتی ہے۔“ اس کے لہجے میں ماں کے لئے محبت ہی محبت تھی وہ آنکھوں جماعت میں تھا جب امی کی ڈیڑھ ہوتی تھی وہ والدین کا بے حد لاڈلا تھا اسے آج بھی اپنی امی کے نازوں بھرے لاڈ یاد آتے تو آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگتیں اور دل میں ایک ہوک اٹھتی اور اسے اللہ سے شکوہ ہونے لگتا جس نے اس کی امی کو اتنی جلدی اپنے پاس بلا لیا تھا اب وہ اس گھر کو کیسے بچا دیتا۔

”بیٹا مجھے تمہاری خوشیاں عزیز ہیں دیکھو جہینہ کے بغیر یہ گھر کتنا سونا ہے اس کی بات مان لو اور اسے گھر لے آؤ۔“ ابا جان نے اسے رسانییت سے سمجھاتے ہوئے قائل کرنا چاہا تھا انہیں بھی جہینہ بیٹیوں کی طرح عزیز تھی وہ ابرار اور جہینہ کو خوش دیکھنا چاہتے تھے اسی لئے اسے بخوبی اجازت دے رہے تھے حالانکہ ایسا کرتے ہوئے انہیں یوں محسوس ہوا تھا کہ سارہ انہیں شکوہ کنال نگاہوں سے دیکھ رہی ہے کہ اس گھر کے چپے چپے کو اس نے بے حد شوق اور ارمان سے سنوارا تھا مگر انہیں اس گھر میں زیادہ دیر رہنا نصیب نہ ہوا تھا۔

”ابا جان اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اگر میں آتا اس کی یہ بات مان لوں تو وہ کل کو مجھ سے اس سے بڑی فرمائش نہ کرے گی۔ ابا جان آپ جانتے ہیں نا کہ میں نے اس کی خوشیوں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہے وہ اپنی خواہشات کے بند گنبد میں قید ہے جہاں اسے صرف اپنی خواہشات اور خوشیاں نظر آتی ہیں نہ کہ خود سے وابستہ افراد کی خوشیاں، میں اسے خود غرض یا خود پرست نہیں سمجھتا مگر وہ بے حد مادیت پرست

ہے، میں اس کی خوشیاں خریدنے کے لئے کوئی ایسی قیمت نہیں چکانا چاہتا جو میرے اندر بیچتا ہوں بن کر زندہ رہے۔“ وہ انہیں رسانییت سے جیسے سمجھانے لگا تھا۔ وہ چپ ہوا تو کمرے کی فضا خاموش و بوجھل ہوئی ابا جی کے دل پر بوجھ آن گرا تھا۔ لیکن چونکہ ابرار کی بات بے حد معقول و ٹھوس تھی سو وہ چپ رہے تھے۔

”آئیں ابا جان! ہم کھانا کھاتے ہیں۔“ ابرار جانتا تھا کہ ابا جان اس کے بغیر اک لقمہ بھی نہ لیں گے اسی لئے لہجے میں بشارت سمجھ کر انہیں لئے ڈانگ روم میں چلا آیا اور ان کے ہمراہ کھانا کھانے لگا تھا۔

میرے دل میرے مسافر  
ہوا پھر سے حکم صادر  
ہوں در بدر ہم تم  
دیں کلی کلی صدا میں  
ہر اک اجنبی سے پوچھیں  
جو پتہ تھا اپنے گھر کا  
کبھی دن سے رات کرنا  
کبھی اس سے بات کرنا  
کبھی اس سے بات کرنا  
ہمیں یہ بھی تھا نصیحت  
جو کوئی شمار ہوتا  
ہمیں کیا برا تھا مرنا  
جو ایک بار ہوتا

وہ صحن کی بائیں دیوار کے ساتھ لگی کیاری کے پاس کرسی رکھے سوچوں میں گم بیٹھی تھی شام کا ملگجا اندھیرا دھیرے دھیرے دھوپ کی سفیدی کو سیاہی میں بدل رہا تھا پرندے دورانق پر بے فکری سے محو پرواز تھے یقیناً ان کا رخ اپنے اپنے آشیانوں کی طرف ہی تھا۔

اسے یہاں آئے چوتھا دن تھا یہ پہلا موقع

تھا کہ وہ شادی کے بعد اتنے دن میٹھے رہی ہو اور آمنہ کو یہی بات کھٹک رہی تھی یہ نہ تھا کہ وہ اس کے آنے سے ناخوش تھیں بلکہ وہ تو ان کی لاڈلی و ہنسی بھری فہمیدہ اور شہینہ آبی اکثر ان سے یہ کہہ کر گلہ کرتیں ہاں بس بیٹی تو آپ کی صرف جہینہ ہے۔ آمنہ اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں انہیں خدشہ تھا کہ وہ ناراض ہو کر آئی ہے اور دوسری طرف ابرار تھا جس نے ان چار روز میں ایک بار بھی اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا حالانکہ وہ آتے ہوئے ابرار کا دلایا ہوا سوا ہل سا تھا لے کر آئی تھی اور یہی بات جہینہ کو ترپا رہی تھی ایک وہ تھی کہ ان چار روز میں اسے بار بار ابرار کے ناشتے، چائے، ڈنر، کپڑوں اور جوتوں کا خیال آیا تھا اور اتنی ہی بار وہ ترپتی تھی اور اپنی صفاقت پر پچھتاتی تھی کہ اسے یوں گھر چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ تو اب اپنی خواہش سے دستبردار ہونے کو بھی تیار تھی اسے تو صرف ابرار چاہیے تھا جس کے بغیر وہ ناممکن تھی وہ تو اس کی ذات کی تکمیل تھا اس کا احساس اسے اب یہاں آ کر بخوبی ہوا تھا اس کے دل سے ہوک اٹھنے لگی۔

”ابرار کیا تم مجھے اتنی جلدی بھول گئے ہو۔“ اس کے دل نے بے اختیار ابرار سے گلہ کیا تھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں جنہیں اس نے آمنہ سے چھپانے کو فوراً پونچھ ڈالا جو کہ صحن کے کونے میں گلے گلے کے پاس بیٹھی برتن دھو رہی تھیں مگر وہ اس کے آنسو آمند دیکھ چکی تھیں اور ان کے دل میں پچھلے چار روز سے پلتے خدشات یقیناً کاروبار دھارنے لگے تھے۔

”آپ یہاں بیٹھیں میں بیگم صاحبہ کو بلاتا ہوں۔“ ملازم نے اسے ڈرانگ روم میں بٹھاتے ہوئے کہا اور خود نیہا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھنے کی بجائے گلاس وال کے

پاس آن کھڑی ہوئی سامنے سرسبز و شاداب وسیع لان بچھا ہوا تھا آسمان پر سرمئی بادل گہرے ہو چلے تھے آج بہت دنوں بعد گرمی کا زور ٹوٹا تھا اور بارش کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اک طرف بنے سوئمنگ پول کے شفاف نیلگوں پانی میں بادلوں بھرے آسمان کا عکس بے حد دلفریب لگ رہا تھا وہ منظر کے سحر میں گھر کر رہ گئی۔ آمنہ نے بالآخر اس سے حقیقت اگوا ہی لی تھی اور حسب توقع اسے بے بھاد کی شانے کے بعد پریشانی سے روٹا شروع کر دیا تھا۔ پچھلے چار پانچ روز سے ابرار نے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ کیا تھا سوان کا پریشان ہونا لازمی امر تھا۔

آمنہ نے اس سے قطع کلامی اختیار کر لی تھی کہ اس نے معاملہ سلجھانے کی بجائے الجھایا تھا اور پھر آمنہ یا ابراہیم میں سے کسی کو بھی آگاہ نہ کیا تھا۔ ابراہیم آفس جا چکے تھے سو وہ معاملے سے ابھی بھی بے خبر تھے گھر کی وحشت زدہ فضا جہینہ کو کاٹ کھانے کو دوڑنے لگی تو وہ جو پہلے ہی پریشان اور فکر مند تھی مزید آرزو ہو گئی ایسے میں اسے نیہا کا خیال آیا تھا اور اس خیال سے اس کی دلی وحشت کچھ کم ہوئی تھی اور پھر وہ آمنہ کو بتا کر یہاں آ گئی۔

”جہینہ تم۔“ آہٹ پر سوچوں میں گم جہینہ چونک کر مڑی اور متحیر رہ گئی اس کی نگاہیں سامنے کھڑی نیہا پر پڑیں جو برسوں کی بیمار لگ رہی تھی وہ تیزی سے نیہا کے پاس آئی۔

”نیہا کیا تم بیمار ہو۔“ اس نے تشویش بھرے لہجے میں محبت سے اس کا ماتھا چھوتے ہوئے پوچھا۔

وہ اس سے دو ہفتے قبل ہی تو ملی تھی اور اب دو ہفتوں بعد وہ پچھانی ہی نہ جا رہی تھی۔ نیہا کو سوشل ایلکچو سٹیز میں حصہ لینا ہوتا تھا گھر میں ہی رہنا ہوتا وہ اپنی ڈرائنگ اور پریسٹیشن کا بے حد



خیال رکھتی تھی اور جو یہاں آج اس کے سامنے کھڑی تھی یہ یہاں اس نہایت بے حد مختلف تھی یہاں کا ملگجالیاس، اچھے بال اور میک اپ سے عاری چہرہ جہینہ کا دل ہولائے دے رہا تھا۔ یہاں اب بھی خاموش تھی اس نے سر جھکا لیا جہینہ نے فوراً فکر مندی سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر چہرہ اوپر کیا تو اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ یہاں کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ جہینہ اسے خود سے لپٹائے صوفے پر آن بیٹھی اور جلدی سے پن سے گلاس میں پانی بھر لائی اس گھر میں اس کا بے حد آنا جانا تھا اور ملازمین بھی اپنی مالکہ کی واحد دوست سے بخوبی واقف تھے اسی لئے کسی نے کوئی سوال نہ کیا۔ وہ پانی لے کر آئی تو یہاں ابھی تک رو رہی تھی۔

”یہاں پلیز مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے آخر۔“ اس نے یہاں کو پانی پانے کے بعد اس کا سر صوفے کی پشت سے ٹکاتے ہوئے تقریباً رو دینے کے انداز میں پوچھا۔

یہاں کی دیگرگوں حالت اس کا وجود پگھلائے جاری تھی اور پھر یہاں نے جو کچھ کہا جہینہ اپنی جگہ مارے صدمے کے گھم کر رہ گئی تھی اسے کمرے کی چھت خود پر گرتے محسوس ہوئی اسے پہلی بار احساس ہوا کہ آسمان سر پر کیسے ٹوٹتا ہے وہ بھی پھٹی آنکھوں سے یہاں کو دیکھے گی جو بے چینی و دکھ سے اپنا سر بے تحاشہ روتے ہوئے صوفے کی بیک پر ٹکائے دائیں بائیں مارے جا رہی تھی۔

”تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی یہ نہیں ہو سکتا ہے نوید بھائی تو تمہیں بے حد چاہتے ہیں۔ انہوں نے تو تمہیں اپنے محل نما گھر کی ملکہ بنا رکھا ہے وہ دوسری شادی نہیں کر سکتے۔“ جہینہ نے چند لمحوں بعد خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اسے تسلی دی شاید وہ اس سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی اس کے سامنے بار بار ابرار کا چہرہ آ رہا تھا۔

”نہیں جہینہ یہی سچ ہے نوید نے تقریباً ہفتہ بھر پہلے اپنی سیکرٹری سے شادی کر لی ہے اور وہ اب ایک دن اس کے پاس اور ایک رات میرے پاس ہوتے ہیں۔“ یہاں کے لہجے کی تڑپ پر اس کا دل سرخ بل کی طرح ترسے لگا وہ اس کی بچپن کی دوست تھی وہ اس کے دکھ پر دکھی نہ ہوتی تو کون ہوتا۔

”اور تم نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ مجھے پہلے تو اپنا ہی ہوش نہ تھا میں ہر وقت روتی تھی جہینہ اور مجھے کوئی چپ کروانے والا نہ تھا میرے والدین تک داماد کی دوسری شادی قبول کر چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں ابھی کسی کو طلاق نہیں ہوئی۔ تم ہم سے ویسے ملنے کے لئے آنا چاہو تو سو بار آؤ مگر ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں۔

اسے اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لو اور وہیں رہو۔“ یہاں نے جہینہ کے شکوے پر تفصیلاً تمام حالات روتے ہوئے سنا ڈالے وہ والدین کی طرف سے مایوس ہو کر مجبوراً یہاں رہ رہی تھی اس کی دونوں بھابھیاں شیر کے معروف صنعتکار گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں اور اب دونوں ہی کو خدشہ تھا کہ یہاں مستقل بوجھ کی صورت ان پر نہ آن پڑے اسی لئے دونوں بہوؤں نے ساس سر کو دو نوک کہہ دیا تھا کہ یہاں کے لئے اس گھر میں کوئی گنجائش نہیں ہے یہاں تو جیسے دو ہرے صدمے سے دو چار تھی اس کے بھائیوں نے بھی اس کی حمایت میں اک لفظ نہ کہا تھا۔ جہینہ جیسے بت بن چکی تھی اسے اپنے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے لگا جیسے اسے کوئی کہہ رہا ہے کہ ابرار نے دوسری شادی کر لی ہے وہ ہول کر رہ گئی اس کا پریشان دل مزید پریشان ہو گیا۔

”میں نے تمہارے گھر بہت بار ڈرائی کیا تمہارا موبائل نمبر میرے پاس سے غم ہو چکا تھا اسی لئے تم سے رابطہ نہ ہو سکا۔ جہینہ تم کہتی ہونا کہ

میں نوید کے اس محل نما گھر جیسے سلطنت کی ملکہ ہوں اس نے میرے قدموں میں دنیا کی تمام آسائشوں کا ڈھیر لگا دیا ہے میں کہتی ہوں کوئی مجھ سے یہ سب کچھ لے لے مجھے صرف نوید دے دے جو صرف میرا ہو۔ کوئی دوسری اس میں حصہ دار نہ ہو میں نوید کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں جہینہ، میں نوید کے ساتھ چھوٹی سی جھوپڑی میں بھی رہ لوں گی پر وہ صرف میرا ہو صرف میرا۔“ یہاں اس کے کندھے سے سر ٹکائے دکھی لہجے میں بولے جا رہی تھی اسے لگا کہ اب اس کی برداشت کی حد ختم ہونے والی ہے اس کا دل جیسے پھنا جا رہا تھا۔

”نہیں میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔“ اس نے یہاں کو محبت سے ساتھ لگائے ہوئے دل میں مسمم ارادہ کیا جو اپنے بے حد چاہنے والے شوہر کی ادھیوری چاہت یا پھر بے وفائی سے ادھیہ مولی ہو چکی تھی اسے ہر سوشل ایکٹیویٹی اور ہر فنکشن بھول چکا تھا اسے اگر کچھ یاد تھا کہ نوید جو اس کی کل کائنات تھا۔

”بی بی جی یہ گولی کھالیں۔“ اس آواز پر دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ اس کا پرانا ملازم تھا جو اس کے لئے سکون آور گولی لئے کھڑا تھا۔

ملازم ٹیبلٹ رکھ کر چلا گیا تو جہینہ نے نرمی و محبت سے یہاں کو گولی کھانے پر آمادہ کر لیا۔ اب دونوں کے درمیان خاموشی تھی وہ اب بھی اس کے کندھے پر سر ٹکائے ہوئے تھی غالباً اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس پر غنودگی طاری ہونے لگی تو جہینہ نے اسے وہیں صوفے پر لٹایا اور گھر سے باہر آگئی اب شاید یہی گولیاں یہاں کا سہارا تھیں اس کا سکون تھیں جہینہ کے دکھی دل سے یہاں کے لئے بے تحاشا دعائیں نکل رہی تھیں اس کے کانوں میں یہاں کے الفاظ گونج رہے تھے وہ بھی تو اپنی جنت آپ اپنے ہاتھوں جہنم بنانے پر تھی ہوتی تھی فیصلہ تو وہ کر چکی تھی۔

تھی اب صرف عمل درآمد باقی تھا اسے بھی بخوبی احساس ہو چکا تھا کہ عورت کے لئے مادی آسودگی سے زیادہ اہم اس کے شوہر کی ہے۔ عورت مادی آسائشوں کی کمی میں شوہر کی چاہت بھری رفاقت کے سنگ زندگی گزار سکتی ہے لیکن برقیات زندگی میں شوہر کی چاہت کے بغیر اجڑ کر رہ جاتی ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے جب جب یہاں کا اجڑا سراپا آتا اس کا دل بری طرح کانپ کر رہ جاتا تھا۔ وہ خود کو بے حد ڈانٹنے لگی تھی اسے اب اپنے احساس زیاں کا خیال ناگ کی طرح ڈس کر زہر اس کی رگوں میں اتارنے لگا تھا۔ آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں میں اکٹھے ہونے لگے تھے۔ اسے یکدم موسمی خوشگواریت، ہر دکھ منظر اور اس محل جیسے خوب صورت گھر سے وحشت ہونے لگی تھی وہ اس بل اپنی ضد پر خود کو بے حد ملامت کر رہی تھی اس کی ضد کے باعث اس کا اپنا آسٹیاں بھی تو آندھی کی زد پر تھا چونکہ اس کا دل ہر چیز سے یکدم اوب گیا تھا اسی لئے اب وہ یہاں کے سونے کے بعد اپنے گھر کی راہ پر تھی۔ محبتوں میں جب انا آجائے تو اکثر انا ہی جیتی ہے مگر بدلے میں انسان کے ہاتھ صرف خسارہ آتا ہے انسان وقتی طور پر تو اپنی انا کو عزیز رکھتا ہے چاہے پھر ساری عمر اک کک پھانسی بن کر اس کے سینے میں پھنس جائے وہ پرواہ نہیں کرتا۔ جہینہ تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو اپنی انا کے بدلے اپنے دامن میں صرف درد اور کک بھرتے ہیں۔ اس کے کانوں میں آمنہ کے الفاظ گونج رہے تھے، انہوں نے اسے کل شام ہی تو اسے بہت سمجھایا تھا اور آج، آج اسے وقت نے بے حد آسانی سے سمجھا دیا تھا وہ اک پختہ فیصلہ گھر پہنچنے سے قبل کر چکی تھی۔

وہ کھلا گیس پیش کر کے اندر داخل ہوئی تھی



## اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

135/-	اردو کی آخری کتاب
200/-	خمار گندم
225/-	دنیا گول ہے
200/-	آوارہ گرد کی ڈائری
200/-	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
130/-	چلتے ہو تو چین کو چلئے
175/-	گمری گمری پھر اسافر
200/-	خط انشائی کے
165/-	ہستی کے اک کوپے میں
165/-	چاندگر
165/-	دل وحشی
250/-	آپ سے کیا پردہ
	ڈاکٹر مولوی عبدالحق
200/-	قواعد اردو
160/-	انتخاب کلام میر
	ڈاکٹر سید عبداللہ
160/-	طیف نثر
120/-	طیف غزل
120/-	طیف اقبال
	لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

قباو پا کر محبت سے چبکتے لہجے میں بولتا اس کے پاس چلا آیا تو جبینہ کا پشیمان دل قرار پانے لگا اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ابرار اب بھی اس کا تھا اس کو چاہتا تھا ان دونوں کی جاہت میں کوئی اور شامل نہ تھا اس کا اندازہ جبینہ کو ابرار کے وجود سے چھلکتی محبت و خوشی سے بخوبی ہو گیا تھا۔

”تو کتنی نادان تھی جبینہ!“ اس نے خود کو پشیمانی سے گھر کا اور ابرار کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیئے ابرار اسے اپنی بے قراریاں اور بے چینیوں سناتے لگا تھا اس نے اک بار بھی جبینہ سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہ کیا تھا۔ جبینہ اتنے مخلص ساتھی کی ناقدری پر خود کو ڈانٹ رہی تھی اس کا دل ملامت زدہ تھا اور اس کی کیفیت بھانپتا ابرار اس کے دل سے ملامت دھونے کی پوری کوشش کر رہا تھا اس کا چہرہ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا اور اس پل جبینہ کو پہلے سے کہیں بڑھ کر دھبیہ و خوبرو لگا تھا۔ جبینہ کو یاد آیا تھا کہ جب اس نے اپنے فیصلے سے آمنہ کو آگاہ کیا تھا تو وہ بھی یونہی خوشی سے بے حال تھیں ان کا چہرہ بھی پرسکون ہو گیا تھا اور انہوں نے اسے پورے ایک ہفتے بعد مخاطب کرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں ابراہیم ایک ضروری کام کی وجہ سے اسے وہاں چھوڑ کر باہر ہی سے چلے گئے تھے۔ جبینہ یکدم ابرار کے سینے سے لگ کر رونے لگی ابرار نے اسے اپنی محبت بھری آغوش میں سمیٹ کر دل کھول کر رونے دیا اس یقین تھا کہ ان آنسوؤں کے بعد اسے ایک بدلی ہوئی جبینہ ملے گی جو اس کے دکھ سکھ کی ساتھی ہوگی نہ کہ اپنی مادی خواہشات کی دیوانی، چند لمحوں بعد اس نے جبینہ کے آنسو پونچھے تو دونوں کی نگاہیں ملیں پھر دونوں دھیرے سے ہنسکر دیئے زندگی کی پرسکون روشن راہیں دونوں کے یوں ملن پر مسکراتے لگی تھیں۔

چھوٹے سے لان کے آخری سرے اور برآمدے میں لگے انرجی سیورز شام کا اندھیرا اپنے دامن میں سمونے میں ناکام تھے۔ اس نے لان میں گھر ہو کر پورے گھر پر اک طائرانہ نگاہ ڈالی سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ لان میں لگے پودے لین کی چیز زبرد آمدے کی سیڑھیاں غرض گھر کا اک اک چپا سے بے حد مانوس اور اپنے بغیر ادھورے لگے تھے اس کی جنت تو یہ گھر تھا پھر وہ کہاں بھٹک رہی تھی۔ اس نے اک سانس سینے سے خارج کی اور ابرار کے کمرے کی لان میں کھلنے والی کھڑکی سے چھن چھن کر باہر آئی روشنی لان کے اک نسبتاً تاریک گوشے کو روشن کرنے کے ساتھ ساتھ کمرے میں ابرار کی موجودگی بھی ظاہر کر رہی تھی۔ غالباً اباجی نماز پڑھنے گئے تھے جہی گیٹ کھلا پڑا تھا اباجی قبر بی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے اور اکثر گیٹ صرف آدھا بند کر کے چلے جاتے تھے۔ جبینہ آہستہ قدموں سے چلتی ابرار کے کمرے کے دروازے تک آگئی یہ کمرہ اس کا بھی تھا اس کا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق تھا جتنا ابرار یا اباجی لیکن یہ حق تو وہ نا عاقبت اندیشی میں گنوانے لگی تھی اسی لئے اب وہ جھجک کر رک چکی تھی۔ وہ یہاں تک تو آگئی تھی مگر اندر جانے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ لیکن اسے اندر تو جانا ہی تھا سو وہ اندر داخل ہو گئی۔ ابرار آہٹ پر مڑا اور حیرت سے بت بن کر رہ گیا پھلا دعائیں یوں بھی اچانک پوری ہوئی ہیں وہ کتنی شدت سے اس کی اچانک آمد کی چند لمحے پیشتر دعائیں مانگ رہا تھا اور اب وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ اس دشمن جان کی آمد پر حیران سا حیران تھا۔ وہ اپنی خواہشات سے بآسانی دستبردار ہونے والوں میں سے نہ تھی اس کا ابرار کو کبھی احساس ہو چکا تھا۔

”آو جبینہ!“ وہ چند لمحے بعد اپنی حیرت پر



بعد انہوں نے جیسے مصروفیت ڈھونڈ لی تھی وہ ہر وقت مجھے اپنی اور امی جان (سارہ) کی چھوٹی چھوٹی باتیں سناتے رہتے بھی ابرار کے بچپن کا کوئی قصہ چھیڑ دیتے تھے یوں باتوں میں ان کا وقت بہتر گزرنے لگا تھا۔ میں ایک متوسط طبقے سے تھی میرے ابو جی ایک آفس میں معمولی ملازم تھے میرے والدین اپنے حالات پر اللہ کے شکر گزار تھے انہوں نے زندگی میں بھی اللہ سے کسی تنگی ترشی کا گلہ نہ کیا تھا اور یہی تربیت میری بڑی دونوں بہنوں کی تھی مگر میں، بقول امی ہمارے گھر میں یہ ناشکری جانے کیسے پیدا ہو گئی ہے۔ میں اپنی غربت و تنگدستی سے خائف تھی میں بھی زندگی سے خوشیاں کشید کرنا چاہتی تھی اور ہر بہترین چیز استعمال کرنا چاہتی تھی اس لئے جب ابرار کا میرے لئے رشتہ آیا تو مجھے اپنے بچپن کے خواب ٹوٹنے محسوس ہوئے لیکن بعد میں ابرار کی محبت بھری سنگت میں، میں اپنی تشنہ خواہشات کی تکمیل کرنے لگی اس نے بھی میری کسی خواہش کو رد نہ کیا تھا اس روز پارٹی میں ملنے والی خاتون نے جیسے میرے اندر بھانپڑ جلا دیے تھے مجھے لگا کہ میں نے ابرار کے لئے ہاں کر کے غلط کیا ہے میرے والدین نے جلد بازی میں مجھ پر ظلم کیا ہے اس روز ایسا سوچتے ہوئے میں ابرار کی چاہت اور پر غلوں محبت بھول گئی تھی اور پھر میں اپنی نام نہاد انا کے ہاتھوں اپنے میکے چلی گئی میری امی اول روز ہی سارا معاملہ بھانپ گئی تھیں اس کا مجھے فوراً اندازہ ہو گیا تھا مگر میں اپنے فیصلے سے ہٹنے یا ہار ماننے کو تیار نہ تھی اسی لئے انہیں جھوٹ بول کر کسی نہ کسی طرح قائل کر لیا مگر انہوں نے مجھ سے حقیقت اگلو کر ہی دم لیا مجھ پر ان کی کسی نصیحت کا اثر نہ ہوا چالاکانہ میں ابرار کی کمی قدم قدم پر محسوس کر رہی تھی۔ اگر اس روز ہاں آج مجھے دو سال بعد پورا اعتراف ہے کہ اگر اس روز

میں نہا سے نہ ملتی تو آج میری زندگی یکسر بد ہوتی۔ تو پھر بھائی جب بغیر کسی وجہ کے اک حسین و جمیل اور چاہنے والی بیوی کی موجودگی دوسری شادی کر سکتے ہیں تو ابرار کے پاس تو ابھی ایک معقول جواز ہو گا دوسری شادی لئے۔ اس بل میں نے جانا تھا انسان کے میں اپنے بخت کے ستارے کو خوشی کے لمحات ضرب دینے کی خواہش ضرور موجود ہوتی ہے انسان کی زندگی میں بھی کبھار بس صرف ایک ہی خوشی کے حصول کا ہوتا ہے وہ ایک لمحہ گزر جائے تو بھی کبھار وہ بے حد کھائے میں رہتا ہے میری بارہی تو میری سچ ہے ایک بے حد پر غلام چاہنے والے شوہر کی مکمل رفاقت، ایک جیسے متعلق سسر کا سر پر سایہ اور ایک بے حد پیارا سا بیٹا جو میری کل کائنات تھا۔ میں نے سوچوں سے چونک کر اپنے ارد گرد دیکھا تو بچن میں سا ہل پر لگی ڈانٹنگ ٹیبل پر میں اکیلی بیٹھی تھی۔ میں یہاں اباجی اور بدر کے لئے بھی کھانا لگایا تھا اسے اباجی نہانے کب کے اپنے کمرے میں جا چکے تھے میں انہی سوچوں میں گم جان عیاں پائی تھی میں نے ایک طویل سانس بھری اور محبت سے اس گھر کے دروہام پر ایک نگاہ ڈالی جسے اب میں نے بے حد چاڑ سے سچایا ہوا تھا اس گھر کا چہ میری موجودگی کا گواہ تھا۔ گھٹ پر گاڑی کا بارن بھا تو میں اٹھ کر پورچ میں آ گئی اباجی کے کھول چکے تھے ابرار نے گاڑی پورچ میں لا کر روک دی اب مجھے ابرار کے لئے بھی کھانا گرم کرنا تھا اور اسی کے ساتھ کھانا تھا۔ میں نے ہر خوشیوں کے جگنو دو سال قبل اپنی منہمی میں مقید کیئے تھے مجھے اپنے ارد گرد ان کی روشنی چھپتی محسوس ہونے لگی تھی۔